در کفے جامِ شریعت، در کفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

بیادگار

حضرت ابوالبرکات سید حسن قادری گیلانی
رحمۃ اللہ علیہ

پندرہ روزہ

پشاور

الحسن

شاہ محمد غوث اکیڈمی یکہ توت پشاور

شاہ محمد غوث اکیڈمی پشاور کا علمی مجلہ بیادگار حضرت ابو البرکات سید حسن صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ

رجسٹرڈ نمبر پی ۳۶۹

پندرہ روزہ

الحسن پشاور

مدیر اعلیٰ
فقیر محمد امیر شاہ
قادری گیلانی

منتظم اعلیٰ
سید غلام الحسنین
قادری گیلانی

شمارہ نمبر ۱۴ — جلد نمبر ۴

یکم جولائی سنہ ۱۹۹۴ء — ۲۱ محرم الحرام سنہ ۱۴۱۵ھ

مدیر اعلیٰ (فقیر) محمد امیر شاہ قادری گیلانی نے رضوان پرنٹرز قصہ خوانی بازار پشاور سے
طبع کرکے یکہ توت پشاور سے شائع کیا

مجلس ادارت

مدیر: غلام الحسنین قادری گیلانی
(بی کام آنرز)

معاونین

۱۔ پروفیسر محمد اسماعیل صاحب سیفی
(سابق سیکرٹری تعلیم صوبہ سرحد)

۲۔ ڈاکٹر ام سلمیٰ گیلانی
(لیکچرر جناح کالج برائے خواتین پشاور یونیورسٹی)

۳۔ الحاج صوفی مشتاق احمد صاحب
(سابق پرنسپل ہائر سکنڈری سکول گلشاں پشاور)

۴۔ اقبال ریاض صاحب
(ایڈیٹر ہفت روزہ سیاست پشاور)

۵۔ سید محمد انور شاہ قادری
(لائبریرین ایجوکیشن کالج گل بہار پشاور)

(قانونی مشیر)

۱۔ محمد اسماعیل قریشی (ایڈووکیٹ)

۲۔ اویس احمد قادری (ایڈووکیٹ)

مجلس مشاورت

۱۔ سید محمد حسنین قادری گیلانی
(اے وی پی نیشنل بنک)

۲۔ سید سجاد حسین شاہ بخاری
(ایگزیکٹو انجینئر واپڈا)

۳۔ الحاج منظور الٰہی قادری
(وی پی یونائیٹڈ بنک)

۴۔ الحاج محمد عابد (صراف)

۵۔ ڈاکٹر محمد انعام قادری
(رجسٹرار خیبر ہسپتال پشاور)

۶۔ سمیع اللہ قادری
(لائبریرین ہائر سکنڈری سکول چمکنی پشاور)

مجلس منتظمہ

۱۔ سید علاؤ الدین علی قادری گیلانی

۲۔ سید سعید الزمان قادری گیلانی

۳۔ محمد سلیم قادری ۴ حاجی سجاد حسین

سرکولیشن منیجر: سید نور الحسنین قادری گیلانی

اسسٹنٹ سرکولیشن منیجر سید حبیب شاہ قادری

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	مصنف	صفحہ نمبر
۱	شذرہ	مدیر اعلیٰ	۳
۲	نعت شریف	مدیر اعلیٰ	۷
۳	حدیث قسطنطنیہ اور یزید	سید محمد انور شاہ قادری	۸
۴	سورہ یوسف منظوم اردو ترجمہ	صوفی مشتاق احمد صاحب ایم اے	۱۳
۵	سلام کی اہمیت اور وجوب	حافظ نور حکیم جیلانی	۱۵
۶	سلام بحضور نواسہ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم حضرت امام حسین علیہ السلام	اقبال احمد مسعود بیدل ذوقی	۲۵
۷	انوار علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہ	مدیر اعلیٰ	۲۶
۸	سیر السلوک الیٰ ملک الملوک	مدیر اعلیٰ	۲۹
۹	رشوت کے معاشرتی اثرات	محمود الحسن خان	۳۱

قیمت :- ۶ روپے

شذرہ

دعوۃ رجوع الی اللہ

مدیر اعلیٰ

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ امیر معاویہ رضؓ کے ہاں تشریف لے گئے۔ امیر معاویہ رضؓ کے ملازم نے آپ کی خدمت میں گذارش کی کہ میں مالدار آدمی ہوں۔ مگر میری اولاد نہیں مجھے کوئی ایسی چیز یعنی کوئی ایسا ورد بتایئے جس کی بدولت اللہ تعالیٰ مجھے اولاد عنایت فرمادے۔ آپ نے فرمایا کہ "استغفار" پڑھا کرو۔ اس شخص نے "استغفار" پڑھنے میں یہاں تک کثرت کی کہ روزانہ سات سو مرتبہ استغفار پڑھنے لگا۔ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس کو دس بیٹے عطا فرمائے۔ جب امیر معاویہ رضؓ کو علم ہوا۔ تو اس نے ملازم سے کہا کہ تو نے حضرت امام سے یہ کیوں نہ دریافت کیا کہ یہ ورد حضور نے کہاں سے فرمایا۔ جب دوبارہ اس شخص کو آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملا۔ تو اس نے آپ سے دریافت کیا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تو نے حضرت ہود علیہ السلام کا قول نہیں سنا جو انہوں نے کہا۔

یقوم استغفرو ربکم ثم توبو الیہ یرسل علیکم مدرارا ویزدکم قوۃ الی قوتکم

اے میری قوم اپنے رب سے معافی چاہو پھر اس کی طرف رجوع کرو تم پر زور کا پانی بھیجے گا اور تم میں جتنی قوت ہے اس سے اور زیادہ دیگا۔

ایک شخص رئیس الاولیا حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ بہت قحط پڑ رہا ہے۔ آپ نے اس کو فرمایا "استغفار" پڑھو۔ ایک دوسرا شخص آیا۔ اس نے اپنے افلاس کا رونا رویا۔ تیسرا شخص آیا اس نے بے اولادی کی شکایت کی۔ چوتھا شخص آیا اس نے فصل کی کمی کا

اظہار کیا: آپ نے اسی طرح تمام افراد کو یہی فرمایا کہ "استغفار" پڑھو۔ ایک مرید نے عرض کیا حضور جو بھی آیا آپ نے "استغفار" پڑھنے کا ارشاد فرمایا آپ نے جواب دیا کیا تو نے قرآن مجید میں سورہ نوح میں نہیں پڑھا۔ جبکہ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا:۔

استغفرو ربکم انہ کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا و یمدد کم باموال و بنین ۔یجعل لکم جنت و یجعل لکم انہارا (سورہ نوح)

اپنے رب سے معافی مانگو۔ وہ بڑا معاف فرمانے والا ہے۔ تم پر بکثرت مینہ بھیجے گا۔ اموال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے لئے باغ بنا دے گا اور تمہارے لئے نہریں جاری کرے گا۔

وہ لوگ جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور اللہ جل جلالہ اسکے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و اتباع میں ہر وقت مصروف رہتے ہیں اور حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات طیبات کو دل و جان سے قبول کر کے اپنا وظیفہ حیات بنا لیتے ہیں تو یہ لوگ اس اطاعت و اتباع کے راستہ میں نہایت ہی عزم راسخ اور یقین کامل کے ساتھ ان تمام مصائب اور مشکلات پر صبر کرنے والے ہوتے ہیں اور اپنے اس نیک عمل پر ان کی نیتیں۔ ان کے ارادے اور ان کے تمام اقوال سچے ہوتے ہیں۔ اور انتہائی درجے کے اللہ تعالیٰ کے حضور میں فروتنی والے ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں یعنی تبلیغ میں، جہاد کے مواقع پر اور ہر وقت دین محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تائید و نصرت میں مال و دولت نہایت ہی فیاضی سے خرچ کرتے ہیں۔ ان صفات حسنہ کے ساتھ ساتھ ان صاحبان شرافت و کرامت لوگوں کی ایک یہ صفت ارشاد فرمائی۔

والمستغفرین بالاسحار (سورہ آل عمران ۲ / ۳)

آپ پچھلی رات میں گناہوں سے بخشش چاہنے والے ہیں۔

یہی لوگ جن کی تعریف اللہ تعالیٰ نے ان کلمات شریفہ کے ساتھ فرمائی ہے اولیائے کرام کے

نام کے ساتھ موصوف ہیں۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من یوم الاستغفار جعل اللہ لہ من کل ضیق مخرجا ومن کل هم فرجا ورزقه من حیث لا یحتسب (رواہ احمد وابوداؤد ابن ماجہ ومشکوۃ)۔

جو شخص استغفار پڑھنے کو اپنے پر لازم کرلے تو اللہ تعالیٰ ہر قسم کی تنگی سے اس کو نکالنے کی راہ بنا دیتا ہے اور ہر قسم کے غم سے چھٹکارا دیدیتا ہے اور اس کو اس طریق سے روزی دیتا ہے کہ اس کے گمان میں نہیں آتا۔

حضور فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کو بشارت اور خوشخبری دی ہے۔ جس کے نامہ اعمال میں استغفار بہت ہوگی۔ چنانچہ عبداللہ بن بسر فرماتے ہیں کہ حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

طوبیٰ لمن وجد فی صحیفته استغفارا کثیرا (مشکوۃ، رواہ ابن ماجہ وردی النسائی فی عمل یوم ولیلته)

اس شخص کے لئے خوشحالی ہے جو اپنے نامہ اعمال میں استغفار بہت پائے (یعنی کثرت کے ساتھ استغفار پڑھنے والا ہو)

(امام اولیا۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ کے عذاب سے بچانے والی زمین پر دو چیزیں ہیں۔ ایک تو اٹھ گئی اور دوسری موجود ہے پس اس کو مضبوط پکڑلو اور وہ "استغفار" ہے۔

وما کان اللہ معذبهم وهم یستغفرون اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ عذاب کرنے والا ان کو اس

حال میں کہ وہ استغفار کرتے ہوں:

حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو استغفار مروی ہے۔ وہ یہ ہے۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ (مشکوٰۃ شریف باب الاستغفار والتوبہ)

"استغفار" کے معنی صاحب لغات القرآن ج اول ۸۱ و مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی پر تحریر فرماتے ہیں۔ "مغفرت چاہنا بخشش مانگنا خواہ بذریعہ قول ہو یا بذریعہ فعل یعنی گزشتہ اعمال شنیعہ پر پشیمان ہوجاتے اور آئندہ گناہ نہ کرے نیز پچھلے کئے ہوئے گناہوں پر بخشش طلب کرے۔ اللہ تعالیٰ بہت ہی کریم و رحیم پروردگار ہے۔ عنایت و عطا کی نظر سے دیکھے گا۔ اولیاء کرام کا کوئی وقت اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور امید رحمت سے غفلت میں نہیں گزرتا۔ آج بھی اگر کسی کو....... ان حضرات کی صحبت میسر ہو تو علی الصباح استغفار میں مشغول نظر آئیں گے اور اپنے بخشنے والے کے حضور میں عاجزی و انکساری کے ساتھ طلب مغفرت میں مصروف ہوں گے۔ "استغفار" کے ورد میں آدمی کے قلب پر اللہ تعالیٰ کی عظمت، ہیبت اور بڑائی چھا جاتی ہے۔ آئندہ کے لئے گناہ کرنے سے توبہ کرتا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کا جذبہ صالح پیدا ہوتا ہے۔ آدمی نیک سیرت اور نیک کردار بن جاتا ہے اسی لئے جب وقت بھی کوئی شخص کسی "اللہ والے" کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے تو وہ سب سے پہلا سبق جو اللہ تعالیٰ کے راستہ پر ڈالنے کے لئے اسکو فرماتا ہے وہ یہی "استغفار" ہے۔ "استغفار" پڑھنے سے قلب دھل جاتا ہے اور انسان گناہوں سے پاک و صاف ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صدقہ اس فقیر کو بھی اور عامۃ المسلمین کو استغفار پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے اور پھر اس ورد پر مداومت مرحمت فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

"تبرکِ معلیٰ"

نعت شریف

مدیر اعلیٰ

مدینہ کی ہوا ہے اور میں ہوں — محبت کا سماں ہے اور میں ہوں
رسول پاک کے قدموں کا صدقہ — یہ جنت کی ہوا ہے اور میں ہوں
رسول پاک کے قدموں میں ہے سر — گناہوں کی جبیں ہے اور میں ہوں
کہاں میں اور کہاں دہلیز ہے یہ — میری قسمت ہے اعلیٰ اور میں ہوں
کرم کی اک تمنا ہے تمہیں سے — سیاہ کاری ہے میری اور میں ہوں
محبت کی نظر سے دیکھ لو تم — طلب ہے اک نظر کی اور میں ہوں
مقدر ہے میرا بالا و برتر — ہے جنت کا یہ ٹکڑا اور میں ہوں
جبیں ہے اور مصلائے نبیؐ ہے — یہ بخشش ہے عطا ہے اور میں ہوں
یہ انوار و تجلیات تیرے — یہ جالی کی ضیاء ہے اور میں ہوں
مجھے بھی خادموں میں چن کے رکھ لو — یہ صفہ میں دعا ہے اور میں ہوں
تیری صورت کے میں قربان جاؤں — حرم کی یہ عطا ہے اور میں ہوں
ہے قسمت اور مقدر میرا اپنا — حضوری ہے حضوری اور میں ہوں
عنایت کی کوئی حد بھی ہے مجھ پر — رسول پاکؐ کا منبر ہے اور میں ہوں
حرم کے صحن سے گنبد کو دیکھا — میرے دل کی دعا ہے اور میں ہوں
تیرے دیدار کے صدقے میں جاؤں — منیٰ کی یہ فضا ہے اور میں ہوں
ہوا حاضر دوبارہ در پہ تیرے — یہ رحمت کی [illegible] ہے اور میں ہوں
امیرؔ بے نوا ہے اور مدینہ — [illegible] ہے [illegible] اور میں ہوں
مدینہ کی ہوا ہے اور میں ہوں — محبت کا سماں ہے اور میں ہوں

حدیث قسطنطنیہ اور یزید

سید محمد انور شاہ قادری

لائبریرین گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن گل بہار پشاور

حق و باطل کی آویزش کا سلسلہ ازل سے چلا آرہا ہے اور تا ابد جاری رہے گا۔ باطل نے جب نمرود کی شکل اختیار کی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سامنے آئے، فرعون کا روپ دھارا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مدمقابل پایا، ابو جہل کا بھیس بدلا تو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جلوہ افروز دیکھا اور باطل جب یزید کی صورت میں نمودار ہوا تو نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ فگن ہوئے۔ شاعر مشرق علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

موسیٰ و فرعون و شبیرؑ و یزید   ایں دو قوت از حیات آید پدید
زندہ حق از قوتِ شبیریؑ است   باطل آخر داغ حسرت میری است

چونکہ امام عالی مقام حضرت امام حسین علیہ السلام نے اللہ تبارک و تعالیٰ کے نام کو بلند کرنے اور دین کے آفاقی اصولوں کو قائم و دائم رکھنے کے لئے یہ عظیم الشان قربانی پیش کی تھی اور اللہ جل جلالہٗ کا یہ وعدہ ہے کہ "فاذکرونی اذکرکم" (پس تم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد کیا کروں گا) (۱) چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب نواسے کے ذکر خیر کو اس قدر رفعت، وسعت اور بلندی عطا فرمائی جس کا احاطہ کرنے سے انسانی فکر عاجز و قاصر ہے۔ اور آپ رضی اللہ عنہ کی ذات اقدس کو رشد و ہدایت کا ایسا مینارۂ نور بنا دیا جس کی کرنوں سے مشرق و مغرب کے ایوان روشن نظر آتے ہیں۔ اور تمام بنی نوع انسان کو امام حسین علیہ السلام کی تعریف و توصیف میں یوں رطب اللسان کر دیا کہ تاریخ عالم کے گذشتہ چودہ سو سالہ تحریری ریکارڈ پر نگاہ ڈالیں تو انسانی عقل و دانش ورطہ

حیرت میں ڈوب جاتی ہے کیونکہ اس عظیم ہستی کے چاہنے والوں میں اپنوں کے علاوہ غیر بھی موجود ہیں۔ بلا تفریق مذہب و ملت ہر ایک ادنیٰ و اعلیٰ ادب و احترام سے سرِ نیاز جھکا رہا ہے۔ یہودی ہو یا عیسائی، ہندو ہو یا سکھ، مُتمدن ہو یا غیر مُتمدن، جدّت پسند ہو یا قدامت پرست بارگاہِ حسینیت میں خراجِ عقیدت پیش کر رہا ہے۔ اور مسلمانوں کی تو بات ہی کیا ہے ہر مکتبۂ فکر کے علماء، مفسرین، محدثین، فقہا، صوفیاء، شعراء اور ادباء اپنی اپنی فکر و فہم کے مطابق سید الشہداء کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کرنا اپنے لئے سرمایہ ایمان سمجھتے ہیں۔

لیکن یہ بھی ایک اٹل حقیقت ہے کہ جب تک یہ کائنات قائم ہے رحمانی اور شیطانی قوتیں آپس میں برسرِ پیکار رہیں گی۔ چنانچہ جہاں دنیا بھر میں امام حسین رضی اللہ عنہ کی مدحت سرائی ہو رہی ہے۔ وہاں یزید کے ترانے بھی گائے جا رہے ہیں۔ اور یزیدی ٹولہ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاتل، سینکڑوں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو ناحق قتل کرنے والے مدینہ منوّرہ کی مقدس اور پاکباز دوشیزاؤں کی عصمت دری کرنے والے، مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اصطبل بنانے والے، مکہ مکرمہ پر چڑھائی کر کے بیت اللہ شریف کو جلانے والے ظالم، سفاک، شقی القلب اور درندہ صفت یزید کو جنت کا پروانہ جاری کر رہا ہے گویا کہ جنت اس ٹولے کی جاگیر ہے۔

قرآن حکیم و احادیث مبارکہ کے واضح اور روشن دلائل و احکامات سے منہ موڑ کر یزیدی ٹولہ بخاری شریف کی یہ حدیث شریف بطور استدلال پیش کرتا ہے کہ پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُوْنَ مَدِيْنَةَ قَيْصَرَ مَغْفُوْرٌ لَهُمْ (۲)

(میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر یعنی قسطنطنیہ پر حملہ کرے گا وہ بخشا ہوا ہے)

چنانچہ یزیدی ٹولہ یہ حدیث پیش کرنے کے بعد کہتا ہے کہ قیصر کے شہر قسطنطنیہ پر پہلا حملہ کرنے والا یزید تھا لہٰذا وہ بخشا ہوا اور جنتی ہے۔

آقائے نامدار، شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث مبارک برحق ہے اور اس میں کسی بھی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش ہرگز نہیں۔ لیکن اس سے یہ بات تو کسی طور پر ثابت نہیں ہورہی کہ یہ بشارت یزید کے لئے ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں یزید کا نام قطعاً نہیں آیا۔ بلکہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسطنطنیہ پر حملہ آور ہونے والے پہلے اسلامی لشکر کے لئے یہ بشارت دی ہے۔ لہٰذا اب دیکھنا یہ ہے کہ

۱۔ قسطنطنیہ پر پہلا حملہ کب ہوا اور کیا یزید اس میں شامل تھا؟

۲۔ نیز یزید کب اور کن حالات میں جہادِ قسطنطنیہ میں شامل ہوا۔

آیئے اب حقائق کی روشنی میں ان سوالات کے جوابات تلاش کرتے ہیں۔

قیصر، روم کے بادشاہ کا لقب تھا۔ اور قسطنطنیہ سلطنت روم کا دارالخلافہ تھا۔ آج کل قسطنطنیہ کو استنبول کہا جاتا ہے اور یہ ترکی میں واقع ہے۔ اس زمانے میں روم اور فارس (ایران) کی دو عظیم الشان سلطنتیں تھیں۔ یہ کہنا مناسب ہو گا کہ یہ دونوں اس زمانے کی سپر پاور تھیں۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فتح ایران کی پیش گوئی فرمائی تھی۔ جو امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں پوری ہوئی اور روم کے دارالخلافہ قسطنطنیہ پر حملہ آور ہونے والے پہلے اسلامی لشکر کو مغفرت کی بشارت دی گئی۔

چنانچہ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بلادِ روم اور قسطنطنیہ پر مسلمانوں نے کئی بار حملے کئے اور یہ سلسلہ تقریباً ۴۲ھ تا ۶۰ھ مسلسل جاری رہا۔ امام المؤرخین علامہ ابن خلدون قسطنطنیہ پر حملے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ابتداً مسلمانوں نے ۴۲ھ میں عہدِ خلافت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں بلادروم پر فوج کشی کی اور رومیوں کو شکست فاش دی اور ایک گروہ بطریقوں (پادریوں کے سردار) کا معرکہ کارزار میں کام آیا اس کے بعد ۴۳ھ میں بسر بن ارطاۃ نے بلادروم پر جہاد کیا اور وہیں موسم سرما میں رہے۔ واقدی کا بیان ہے کہ بسر بن ارطاۃ لڑتے ہوئے قسطنطنیہ تک پہنچ گئے۔ بعد ازاں عبدالرحمن بن خالد (والیٔ حمص)، جہاد

کرتے ہوئے بلاد روم میں داخل ہوتے" (۳)

علامہ ابن خلدون کی اس عبارت سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ
قسطنطنیہ پر پہلا حملہ ۴۳ھ میں ہوا۔

لہذا بخاری شریف کی حدیث کے مطابق یہ پہلا اسلامی لشکر مغفرت کی بشارت کا حقدار ٹھہرا کیونکہ حدیث شریف کے مطابق یہ بشارت پہلے لشکر کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی پہلے سوال کا جواب مل گیا۔ اب دوسرے سوال کے جواب کے لئے بھی ابن خلدون ہی سے رجوع کرتے ہیں۔
علامہ ابن خلدون مزید لکھتے ہیں۔

"امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۵۰ھ میں ایک بہت بڑا لشکر بسر افسری (زیر قیادت) سفیان بن عوف بلاد روم کی طرف روانہ کیا اور اپنے لڑکے یزید کو بھی ہمراہ جانے کا حکم دیا لیکن یزید نے جانا پسند نہ کیا اور معذرت کی۔ اس پر امیر معاویہ نے اس کی روانگی ملتوی کر دی۔ اتفاق سے مجاہدین کو اس لڑائی میں اکثر مصائب کا سامنا ہوا۔ غلہ کی کمی، مرض کی زیادتی سے بہت سے لوگ مر گئے، یزید کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ بے ساختہ اشعار ذیل پڑھنے لگا۔

ما ان ابالی بما لاقت جموعھم بالفر قدونۃ من حمی و من موم اذا تکأت علی الانماط مر تفقا بدیر مران عندی ام کلثوم	مجھے اس بات کی مطلق پرواہ نہیں ہے کہ ان کے لشکر کو فرقدونہ کی مقام پر سختی اور بد بختی کا سامنا ہوا۔ جبکہ میں نے بلند ہو کر رنگ برنگ قالینوں پر تکیہ لگا دیا اور دیر مران میں ام کلثوم میرے پاس ہے۔

امیر معاویہ کے کانوں تک ان اشعار کی آواز پہنچ گئی تو یزید کے بھیجنے کی قسم کھائی چنانچہ یزید کو ایک جمعیت کثیرہ کے ساتھ روانہ کیا" (۴)

ابن خلدون کی اس تحریر سے دوسرے سوال (یزید کب اور کن حالات میں جہاد قسطنطنیہ میں شامل ہوا) کا جواب تو مل ہی گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ درج ذیل امور بھی کھل کر سامنے آ گئے۔

۱۔ قسطنطنیہ پر حملے کے لئے ۵۰ھ میں دو لشکر روانہ ہوئے۔

۲۔ یزید نے پہلے لشکر میں جانا پسند نہ کیا اور معذرت کر لی یعنی ۵۰ھ کو روانہ ہونے والے پہلے لشکر میں یزید شامل نہ تھا۔

۳۔ اس لشکر کی روانگی کے بعد یزید عیش و عشرت میں مصروف ہو گیا یعنی یزید ایک عیاش انسان تھا۔

۴۔ لشکر اسلام کے مصائب پر افسوس کی بجائے لاپرواہی اور خوشی کا اظہار کیا یعنی مجاہدین اسلام کے ساتھ اسے کوئی ہمدردی نہ تھی۔

۵۔ اپنے عیش و عشرت پر نادم ہونے کی بجائے فخر و ناز کیا یعنی انتہائی سرکش تھا۔

۶۔ جہاد کی قدر و قیمت سے غافل اور اپنی خواہشات نفسانی کا اسیر تھا۔

۷۔ ۵۰ھ میں روانہ کئے جانے والے دوسرے لشکر کے ساتھ سزا کے طور پر بھیجا گیا۔

چنانچہ وہ لوگ جو جہاد قسطنطنیہ کو ۵۰ھ کے ساتھ مخصوص کر کے یزید کو مغفرت کی بشارت کا مستحق قرار دیتے ہیں ان کے لے بھی لمحہ فکریہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ یزید کو اس بشارت سے باہر رکھنا چاہتا تھا اسی لئے ۵۰ھ میں بھیجے جانے والے پہلے لشکر سے اس نے خود ہی اپنے آپ کو علیٰحدہ کیا ورنہ واللہ تو اسے پہلے لشکر میں ہی روانہ کرنا چاہتا تھا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی قدر بالکل صحیح اور درست ہے لیکن یزید اس سے خارج ہے۔ اور یہ حقیقت تاریخی طور پر قارئین کی خدمت میں پیش کر دی گئی ہے۔ ہدایت و گمراہی اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اگر یزیدی گروہ کی صفوں میں حر ریاحی تمیمی جیسے حضرات موجود ہوں جن کے دلوں میں نورِ ایمان جگمگا رہا ہو تو وہ یقیناً راہ ہدایت حاصل کر لیں گے۔ (جاری ہے)

سورہ یوسف منظوم اردو ترجمہ

از صوفی مشتاق احمد سابق پرنسپل ہائی سکول نمبر ۴ کاکشال پشاور

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ۶۸

مگر زمانے میں اکثر ہیں لوگ ایسے بھی ✤ جنہیں خبر ہی نہیں ہے اس حقیقت کی

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَخَاهُ

پہنچے جب کہ یہ سارے بھائی یوسف کے ✤ بٹھایا ابن یمیں کو اس نے اپنے پاس

قَالَ اِنِّيْۤ اَنَا اَخُوْكَ

اس نے چپکے سے بھائی کے کان میں کہا یوں ✤ سنو کہ میں ہی تمہارا بھائی یوسف ہوں

فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ۶۹

نہ ہونا غم زدہ تم اے پیارے بھائی جان ✤ سلوک جو کچھ کہ کرتے رہے ہیں یہ بے مہربان

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ

جب اس کے واسطے غلہ تیار کروایا ✤ کاسہ پانی کا ساماں میں اس کے رکھوایا

ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ۝

(روانہ ہونے لگے ہو کے جب خورسند) ✤ پھر اک پکارنے والے نے پکارا بلند

اے کاروان کے لوگو! سنو یہ بات بغور ✤ ہمیں یہ شک ہے کہ تم ہو درحقیقت چور

قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ

سنی جب قافلے والوں نے مدعی کی پکار ✤ مخاطب ہو کے کیا مدعی سے استفسار

مَاذَا تَفْقِدُوْنَ ۝ ۷۱

دکیوں ہم غریبوں پہ تم لگاتے ہو الزام ✤ کیا چیز گم ہوئی ہے! کیجئے دور یہ ابہام

قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ

پکارنے والے نے یہ سنتے ہی جواب دیا ٭ پیالہ شاہ کا ہم لوگوں سے کھو گیا

وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ

جو شخص گم شدہ پیمانہ لا کے حاضر کرے ٭ اِک بارِ شتر وہ غلے کا ہم سے حاصل کرے

وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ۝

میں ہوں بھائیو! اس انعام کا ضامن ٭ (بھر لے جو کوئی چاہے غلے سے دامن)

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ

کہا انہوں نے خدا کی قسم تم جانتے ہو ٭ نہیں ہیں آئے یہاں ہم فساد کرنے کو

وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ۝

(بھائیو! دیکھو ہمارے سراپا کو تم بغور) ٭ (پیغمبر زادے ہیں) ہم تو نہیں ہیں قطعاً چور

قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ۝

(پیمانہ ڈھونڈنے والوں نے جب سنا) تو کہا ٭ ثابت تم ہوئے جھوٹے تو کیسی ہوگی سزا

قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ط

سن کے قافلے والوں نے یوں جواب دیا ٭ وہ جس کے سامان سے نکلے وہی ہے اپنی سزا

كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝

اسی طرح سے ہیں دیتے ہم ظالموں کو سزا ٭ (تاکہ حاصل کریں عبرت اس سے اہلِ جفا)

فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ط

تلاشی اس نے شروع کی سامان کی ٭ حقیقی بھائی سے پہلے علاتی بھائیوں کی

ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ط

(پھر بن یمین کے سامان میں تلاش کیا) ٭ (وہاں سے گم شدہ پیمانہ دستیاب ہوا)

دین اسلام میں "سلام" کی اہمیت اور وجوب

حافظ نور حکیم جیلانی سیف

الحمد للہ الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ والصلوۃ والسلام علی عبدہ المجتبیٰ محمدن المصطفیٰ و علی آلہ التقیٰ واصحابہ النقیٰ اما بعد

دنیا کے مختلف مذاہب میں ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت اظہار ہمدردی کے لئے مختلف فقرات واشارات اور محسوسات کا استعمال رسماً ہوتا ہے۔

مثلاً قوم عیسائی میں ملاقات کے وقت چہرے پر خوشی کے آثار نمایاں کرتے ہوئے ہاتھ سے اشارہ کر کے گوڈ مارننگ (Good Morning) گوڈ ایوننگ (Good Evening) وغیرہ بولا جاتا ہے۔

ہندو قوم میں بھی اسی طرح چہرے پر خوشی کے آثار نمایاں کر کے اور دونوں ہاتھ باندھ کر "نمستے نمستے" رام رام وغیرہ بولا جاتا ہے۔

بدھ مت و دیگر جاپانی چینی اقوام میں بھی سر کو جھکانا اور ہاتھ بند کر کے ملاقات کے وقت اظہار ہمدردی کی جاتی ہے۔ لیکن یہ تمام اقوام کے الفاظ واشارات بے معنی اور بے مقصد ہیں۔ جبکہ اسلام نے ان سب سے جدا اچھوتا اور منفرد انداز دیا ہے۔ وہ انداز یہ ہے کہ کسی مسلمان سے ملاقات کے وقت اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہنا اور دوسرے کا سن کر تقریباً ویسے ہی سلام کا جواب دینا یا اس سے بہتر جواب دینا۔ رسماً رائج نہیں ہے بلکہ دین کے شعار میں شامل ہے۔ جس کے کہنے پر مسلمان ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ اور ایک وجوب کو ادا کرتا ہے۔

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ لفظ سلام مسلم سے مشتق ہے اور مسلم کے معنی سلامتی، عاجزی انکساری ماننے کے ہیں اور لفظ "اسلام" بھی یہی معنی دیتا ہے۔ یعنی سلامتی اور السلام علیکم کے الفاظ کو ادا کرنے سے یک تو ملاقاتی خوش ہوتے ہیں اور دوسرا یہ کہ کئی نیکیاں انسان کے ثواب میں جمع Deposit ہو جاتی ہیں۔ اور اس "السلام علیکم" میں کوئی دھوکہ دہی بھی نہیں اور خلوص دل کا اظہار بھی

ہے۔

قرآن و حدیث سے لفظ السلام علیکم کا استعمال بطور تحیت و استیذان و وداع کے کئی جگہ موجود

ہے۔

سورۃ النساء (پ۵ آیت ۸۶) میں اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں۔

آیت:۔ واذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منھا اور دوھا ان اللہ کان علی کل شی حسیبا۔

ترجمہ:۔ اور جب تم کو سلام دیا جائے (کیا جاتے) تو اس سے (سلام اور تحیت کے الفاظ) سے بہتری کے ساتھ اس کو سلام (کا جواب) دو یا وہی (الفاظ سلام کے) لوٹا دو بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حسیب ہے۔

حییتم کا صیغہ مجہول ہے یعنی تم کو (تحیت) سلام کوئی دے اور پھر فحیوا کا صیغہ وجوب کا ہے یعنی فعل امر کا اور فرضیت وجوب ثابت کر رہا ہے۔ اسلام جواب ضرور دو۔

باحسن تفضیل کا صیغہ جو بہتر الفاظ کے ادا کرنے پر دلالت کرتا ہے اور اگر بہتر نہ دے سکو تو کم از کم ردوھا پر عمل کر کے ویسے ہی الفاظ اتنی ہی مقدار کے جواب دے یعنی اگر وہ السلام علیکم کہے تو تم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہو اور اگر یہ نہیں کہہ سکتے تو خالی ردوھا پر عمل کر کے وعلیکم السلام ہی کہہ دو۔

لفظ حسیبا کتنے معانی لئے ہوئے ہے۔ کہ یہ کام تم کرو یا نہ کرو لیکن یاد رکھو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہر ایک چیز کا حساب کتاب رکھنے والا ہے۔ اور یہ نہ ہو کہ ایک مسلمان تم کو سلام دیتا ہے اور تم امیری یا بہتر ہونے کی وجہ سے یا بہتر تقویٰ کی وجہ سے اس کا جواب ہی نہ دو۔ اور غرور کرو۔ اور اگر نہ دو گے تو قیامت کے روز حساب کتاب کرنے والا تم سے ضرور پوچھے گا۔

پھر ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ (پ۱۸ نصف)

آیت۔ یاایھاالذین امنو لا تدخلو بیوتا غیر بیوتکم حتیٰ تستانسوا و تسلموا علی اھلھا ذالکم خیر لکم لعلکم تذکرون

ترجمہ:۔ اے ایمان والو اپنے گھروں کے علاوہ کسی دوسرے کے گھر میں بغیر اجازت مت داخل ہو

جب اجازت لے لو تو داخل ہو جائے اور سلام کرتے ہوئے داخل ہو۔ گھر والوں پر یہ تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم پند و نصیحت والے ہو جاؤ۔

مندرجہ بالا آیت مبارکہ میں رب تبارک و تعالیٰ مومنوں سے مخاطب ہے۔ اور بڑے رحیمانہ طریقے سے ارشاد فرماتا ہے۔ حتیٰ تستانسوا تسلموا کے صیغے وجوب کا ثبوت بھی دے رہے ہیں اور آداب بھی یعنی اجازت لے کر اور سلام کرتے ہوئے یہ نہ ہو کہ وہ اجازت نہ دیں۔ اور تم خود بخود اپنی مرضی سے اندر داخل ہو رہے ہو۔ کسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت اس لئے ضروری ہے کہ کیا خبر کوئی اپنے گھر میں کس حالت میں ہو۔ اور انسان بغیر اجازت اندر جاتے تو وہ برا محسوس کرے۔ ذالکم خیر لکم لعلکم تذکرون پند و نصائح حاصل کرنے والے کو خیر کا بیان کر رہے ہیں۔

لفظ "سلام" اپنے اندر ہی اس قدر اپنے معانی اور مفاہیم رکھتا ہے کہ لگتا ہے کہ اسلام کا وجود لفظ "سلام" کی ادائیگی کے ساتھ ہے۔ ایک جگہ (پ ۱۲) ارشاد ہے۔ (آیت) فاذا دخلتم بیوتاً فسلمو علیٰ انفسکم

ترجمہ:۔ جب تم گھر میں داخل ہو تو سلام کرو۔

یعنی لفظ سلام کو ہو نہ ہو سلام اپنا اثر رکھتا ہے۔ اس لئے تو نماز کے التحیات میں رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص اور نیک لوگوں کے لئے عام سلام بھیجا جاتا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے۔ والسلام علی من تبع الهدیٰ ہدایت کی پیروی کرنے والوں پر سلام۔

پھر فرمایا:۔ وسلام علی عباده الذین اصطفیٰ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے بندوں پر سلام اس لئے انبیاء کرام کے نام کے ساتھ علماء علیہ السلام لکھتے ہیں۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ یہ سلام ہی کی برکت تھی کہ اس لفظ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آگ کو سلامتی والا بنا دیا۔

فرمان خداوندی ہے ! وسلام علی المرسلین ۔ اور یانار کونی بردو سلاماً علی ابراہیم ۔ یعنی سلام نیک بندوں پر بھیجا جاتا ہے۔

یعنی سلام کرنا اور سلام وصول کرنا، ادا کرنا، لکھنا، بھیجنا یہ تمام شعار اسلام میں داخل ہیں۔ تو سلام، اسلام کے شعار میں داخل ہوا اور شعار دین کو توڑنا، چھوڑنا گناہ کا ارتکاب کرنا ہے۔

ہم لوگ جو کہ برائے نام مسلمان ہیں اور مسلمان ہونے کا دعویٰ ببانگ دہل کرتے ہیں۔ لیک ہمارے معاشرے میں سلام ختم ہوتا جارہا ہے۔ اول تو کوئی سلام کرتا ہی نہیں اگر کرتا بھی ہے تو وہ سلامتی والا سلام نہیں ہوتا بلکہ موت والا سام، ہوتا ہے کیونکہ دین سے دوری کی وجہ سے اگر ہم دین کے قریب آئیں تو معلوم ہو گا کہ اصل سلام "سام" نہیں بلکہ السلام ہے۔

حدیث مبارک

مشکوٰۃ شریف باب الادب میں حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے۔

وعن عبداللہ بن عمرو ان رجلاً سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای الاسلام خیر۔ قال تطعم الطعام وتقری الاسلام علی من عرفت ومن لم تعرف (متفق علیہ)

ترجمہ۔ عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار اقدس میں سوال کیا کہ کون سا اسلام اچھا ہے نبی مکرم صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھانا کھلانا اور سلام کرنا اسے جسے پہچانو یا نہ پہچانو (امام مسلم و بخاری اس حدیث پر متفق ہیں)

سبحان اللہ یہ اسلام ہے یعنی گھر میں، راستے میں، دفتر میں، سکول و کالج میں جہاں کہیں بھی کوئی کھانا کھلاتا ہو اگر ضرورت ہو تو سلام کرو چاہے تم اس کو جانتے ہو یا نہیں جانتے۔ تم نے سلام ضرور کرنا ہے یہ اچھا اسلام ہے۔

کامل دین اسلام یہ ہے کہ بے غرض یعنی صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے کھانا کھلانا اور دوسروں کو سلام کرنا۔ اس لئے اگر عام خاص اگر یہ کام کردے تو پھر سلامتی نہ ہو تو کیا ہو۔ ہر طرف سلامتی ہی سلامتی کی آوازیں ہوں اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی زمین سلامت اور سلامتی کا مظہر بن جائے۔

آج کل ہمارے ہاں عجیب رواج ہے لوگ ایک دوسرے سے ملتے وقت صرف " کیا حال ہے " کیسے ہو یا ماڈرن بننے کے لئے "How do you do" Fine , Fine، سنگا حال

چال دے (پشتو زبان) اور کئی دیگر زبانوں میں روزمرہ کے جملے استعمال کرتے ہیں۔ ٹیلی فون کریں گے تو السلام علیکم کے بجائے "Hello" ، "Hello" کا رواج ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہر وقت جب بھی کسی سے ملیں تو بجائے اسمیں حال احوال دریافت کرنے کے بجائے پہلے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہیں، ٹیلی فون پر ہو یا MOBILE ٹیلی فون پر۔ ہر جگہ السلام علیکم کہیں تو دوسرا بھی وعلیکم کے ذریعے جواب دے گا۔

ترقی یافتہ بننے کے لئے انگریزوں کی زبان یا رواج کو اپنانا کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ مسلمہ مفکرین و علماء کی تقلید کی ضرورت ہے کہ وہ دنیا میں بھی ترقی پسند تھے اور دین میں بھی اور تحقیق سے اپنا کام کرتے تھے۔ جبکہ ہمارے ہاں خالی غیر مسلم قوم کو ترقی یافتہ سمجھتے ہوئے ان ہی کی پیروی کی جارہی ہے جو کہ سراسر بے وقوفی پر مبنی ہے۔ قرآن وحدیث یا دین اسلام یہ تو کہتا ہے کہ آپ کسی سے بھی علم حاصل کریں لیکن اپنی حقیقت اور اوقات کو بھی سامنے رکھا جائے تب علم سیکھنے اور سکھانے کا مزا بھی ہے۔

ایک حدیث مبارک ہے کہ تم نہ۔ یہود سے مشابہت کرو نہ نصاریٰ سے۔ یہود کا سلام انگلیوں سے اشارہ ہے اور عیسائیوں کا سلام، ہتھیلیوں سے اشارہ ہے۔

یعنی اے مسلمانوں تم کو کیا ضرورت ہے انکی مشابہت کی تم تو خود سلامتی کے لئے ہو تمہارا سلام انگلیوں یا، ہتھیلیوں سے نہیں بلکہ ایسا سلام ہے جس میں الفاظ بھی سلامتی والے اور کہنے والے سننے والے بھی سلامتی والے ہیں اور ان الفاظ کو ادا کرنے سے ثواب بھی ملتا ہے۔

ایک حدیث مبارک میں ہے کہ مشکوٰۃ شریف

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو کہتے تھے (یعنی ہم کہتے تھے) اللہ کے بندوں کی طرف سے اللہ پر سلام ہو جبرائیل پر سلام ہو میکائیل پر سلام ہو فلاں پر سلام ہو۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا۔ تو اپنے چہرے سے ہم پر متوجہ ہوتے اور فرمایا یہ نہ کہو کہ اللہ پر سلام ہو اللہ تو خود سلام ہے۔ جب تم میں سے کوئی نماز میں بیٹھے تو کہے کہ اللہ کے لئے

تحیات نمازیں اور طیب کلمے ہیں۔ اور اے نبی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام ہو اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو۔ نمازی جب یہ کہے گا تو زمین و آسمان کے ہر نیک بندے کو پہنچ جائے گی۔

سلام آفات و عیوب سے سلامتی کا نام ہے اسی سے تسلیم ہے اور سلام اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک ہے۔ یعنی بندوں کو امن و سلامتی دینے والے (اسم فاعل)

اسلئے سلام تو بندوں کے لئے ہوا اس لئے تو نماز میں اسلام علیک ایھاالنبی اور السلام علینا و علی عباداللہ الصالحین آپ ہے جو اس حیثیت سے اخذ شدہ ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین کو شروع میں اس مسئلے کے بارے میں کوئی واضح دلیل نہیں تھی لیکن وہ لوگ اجتہاد سے اس طرح کہتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس طرح نہ کہو بلکہ سلامتی ہو بندوں پر اور رسولوں پر اور صالحین پر اسلام نے اتنی زیادہ سلامتی و امن کی ترغیب دی ہے کہ سارا دین اسلام ہی سلامتی بن گیا۔

مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے۔ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی مسلمان کو (حلال نہیں کہ وہ کسی مسلمان سے تین دن سے زیادہ چھوڑے (خفا) رہے یعنی تین دن تک خفا رہے) اور اگر اس پر تین دن گزر جائیں تو یہ اس سے ملے اسے سلام کرے پھر اگر وہ اسے سلام کا جواب نہ دے تو وہ دونوں ثواب میں برابر شریک ہیں اور اگر دوسرا جواب نہ دے تو وہ گناہ کے ساتھ الگ ہوا (یعنی گناہ گار ہوا) اور یہ سلام کرنے والا (گناہ) سے الگ ہوا یعنی اس کے ذمہ گناہ نہ رہا (ابوداؤد)

جبکہ ہمارے لوگ خفا ہونے کے ساتھ ہی خفگی کو دشمنی میں بدل دیتے ہیں اور دوبارہ سلام کرتے تک نہیں ہیں۔ جو کہ حدیث کی رو سے غلط ہے۔

مشکوٰۃ شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور عائشہ عنہا سے بھی اسی طرح روایت ہے۔ حضور صلی اللہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کے مومن پر چھ حقوق ہیں۔ کہ جب

ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ملے تو اس کو سلام کرے۔ اور جب بیمار ہو تو اس کی بیمار پرسی کرے اور جب دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کرے چھینکے تو اس کا جواب دے اور جب مر جائے تو اس کے جنازے میں شرکت کرے اور اس کی خیر خواہی کرے اگر وہ موجود ہو یا نہ ہو۔

سوچنے کی بات ہے کہ اسلام نے حفظ سلام کو صرف حال احوال تک نہ رہنے دیا بلکہ لفظ سلام سے ہی سلامتی کی ابتداء شروع کردی اور موت کے بعد تک اس کے ساتھ سلامتی کرادی۔

مندرجہ بالا قرآن و حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ملاقات کے وقت اجازت کے وقت اور جانے کے وقت السلام علیکم و علیکم السلام بولنا چاہئے تاکہ اسلامی شعار کا فروغ ہو کیونکہ اگر ہم خود اسلامی شعار کو پھیلائیں گے اور فروغ دیں گے تو پھر ہر طرف سلامتی ہی سلامتی ہوگی اور کامل اسلام ہماری نظروں کے سامنے آجائے گا۔

سلام کی چار اقسام ہیں۔ نمبر (۱) سلام تحیت (۲) سلام استیذان (۳) سلام وداع (۴) سلام مصالحیت سلام تحیت لوگوں سے ملنے کے وقت کیا جاتا ہے یعنی اسلام علیکم و رحمتہ اللہ (۲) سلام استیذان گھر میں جانے کے لئے اجازت لینے کیلئے بلند آواز سے السلام علیکم کیا جاتا ہے (۳) سلام وداع۔ گھر سے رخصتی پر کیا جاتا یعنی السلام علیکم (۴) سلام مصالحت کوئی خفا ہو تو اس سے ملنے اور ماننے کے لئے مصالحیت کے ذریعے السلام علیکم کرنا

مندرجہ بالا تمام اقسام اسلام میں سلامتی پر سلام کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہیں اور لفظ سلام کی وسعت کو بیان کرنے میں کارگر ہیں۔

یہ تمام آیات و احادیث مبارک سلام کو عام کرنے اور ایک دوسرے کی سلامتی چاہنے پر حال ہیں اور اگر ہم اس کی اتباع کریں تو کامیاب ہوں گے قرآن شریف میں ایک جگہ اب تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے۔

ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوز عظیما

ترجمہ:۔ اور جس نے اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کی تو صرف اس نے ہی عظیم کامیاب پائی۔

کیوں نہ ہم اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کا آغاز سلام کی کثرت استعمال سے شروع کر دیں۔

سلام سنت علی الکفایہ ہے یعنی ایک کے کر دینے سے مجمع کے تمام لوگ بری ہیں سلام کرنا سنت ہے مگر سلام کا جواب دینا واجب اور فرض ہے ہر سلام کا جواب دینا فرض نہیں بلکہ مسلمان کے سلام تحیت کا جواب دینا فرض واجب ہے۔

جب کسی کو سلام کرے تو خوب سمجھ کر اور درست ادا کرے بعض لوگ جلدی میں السلام علیکم کی بجائے اسام علیکم کہہ دیتے ہیں۔

السلام علیکم کا معنی ہے کہ تم پر سلامتی ہو جب کہ اسام علیکم کا معنی ہے کہ تم پر موت واقع ہو یہ نہ ہو کہ لینے کے دینے پڑجائیں اس لئے خوب سوچ کر سلام دینا چاہیئے۔

جب کوئی سلام کرے تو اس کو اس سے زیادہ یا اسی طرح کا سلام دے۔ بہتر ہو تو زیادہ الفاظ ادا کریں مثلاً اگر کوئی السلام علیکم کہے تو جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہے اور اگر وہ اسی طرح السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے تو یہ وبرکاتہ کا اضافہ کرے اور اگر یہ برکاتہ کا اضافہ کرے تو یہ معفرتہ کا اضافہ کرے وغیرہ۔

السلام علیکم کا جواب السلام علیکم بھی ہے مگر وعلیکم السلام افضل ہے۔

خط لکھنے میں یا خط بھجوانے میں سلام ضرور لکھے اور جب کوئی خط ملے تو خط لانے والے کو پہلے جواب دے اور پھر جس کا خط ہو اس کو سلام دے مثلاً کہ جو خط لایا اس پر سلام ہو اور جس کا خط آیا اس پر بھی سلام ہو ایک دوسرے کا سلام لے کر جانا سنت ہے اور جواب بھی سنت ہے مثلاً کوئی لاہور جانے والے سے کہے کہ فلاں صاحب کو میرا سلام کہے تو یہ اسی طرح جاکر اس صاحب کو اس کا سلام دے۔

سلام اسلامی رشتے سے ہونا چاہیئے۔ کاروباری ریاکاری اور صرف دکھاوے کے سلام نہ ہوں۔

سلام کی غرض سے چند ساعت بیٹھنا درست ہے مگر بے وجہ درست نہیں۔

جب کسی کو سلام کہے یہ جواب دے تو علیک کی بجائے ہمیشہ علیکم کہے تاکہ کم ضمیر جمع کی

ہونے کی وجہ سے اس بندے کے ساتھ تمام فرشتوں خاص کو کراماً پر سلام ہو جاتے۔

جب کوئی شخص خالی گھر میں داخل ہو تو سلام کرے السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین اور

مسجد میں داخل ہو تو بسم اللہ والسلام علی رسول اللہ کہے اس سے رزق میں برکت ہوتی ہے۔

واجبات

سلام تحیت کلام سے پہلے ہوتا ہے۔

اور اگر ایک شخص سلام کے الفاظ بول کر اشارہ بھی کردے تو جائز ہے مگر خالی اشارہ جائز نہیں۔

سلام میں پہل کرنا

پیدل سوار آدمی کو پہلے سلام کرے چاہے جانتا ہو یا نہ جانتا ہوں مجمع میں آنے والا پہلے سلام کرے نہ کہ مجمع اس کو پہلے سلام کرے۔ گزرنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام پہلے کرے۔

جب دونوں سوار ہوں یا دونوں پیدل ہوں تو اس وقت کم جماعت والے زیادہ کو پہلے سلام کریں۔

شاگرد استاد کو پہلے سلام کرے۔ بچے والدین کو پہلے سلام کریں۔ خادم آقا کو پہلے سلام کرے۔

چھوٹے بڑے کو پہلے سلام کریں۔

چھوٹا بیٹھا ہو اور بڑا گزر رہا ہو اس وقت بڑا پہلے سلام کرے۔

ایک دفعہ سلام کہنے کے بعد اگر درخت یا گھر کی آڑ آجائے تو دوبارہ سلام کرے۔

چھوٹے بچوں کو سلام کرنا سنت ہے۔

سلام میں ابتداء کرنا بہتر ہے۔

ہواھیات

۔یہودیوں، عیسائیوں و کفار مشرکین زمی ہو یا عربی ہندو اور بدمذہب (قادیانی وغیرہ) کو سلام بلا ضرورت ممنوع ہے۔ اجنبی عورت (جو جوان ہو) کو سلام کرنا ممنوعہ ہے۔ اپنی محرم عورت یا بیوی یا بوڑھی عورت کو سلام کرنا جائز ہے اور یہی حکم جواب سلام کا ہے۔ اجنبی عورت اجنبی مرد کے سلام کا

جواب نہ دے۔

اور اگر اجنبی عورت سلام کرے تو مرد جواب دے سکتا ہے۔

تلاوت قرآن کے دوران دین کے درس و تدریس کے وقت کھانا کھانے کے وقت، اونگھنے کے وقت، نماز کے وقت، منہ میں لقمے کے وقت، اذان کے وقت، غسل خانے میں، جماع کے وقت، پیشاب کے وقت سلام کرنا ممنوع ہے۔ اور اگر کوئی کرے تو اس کو جواب دینا واجب یا لازم نہیں ہے۔

اگر ہم اسلامی اقدار کو پھیلائیں اور فروغ دیں تو ہماری یہ نئی نسل دین کی تعلیم حاصل کئے بغیر ہی دین کے احکام پر چلنا شروع کردے اور پھر دین بھی سیکھنا شروع کردے یہ کام بڑوں کا ہے کہ وہ اپنے چھوٹوں کو سمجھائیں تاکہ وہ غیر مذہب اور غیر اسلامی شعار کو فروغ دینے کے بجائے اسلامی شعار السلام علیکم کو فروغ دیں۔ وما علینا الا البلاغ المبین

وعلیکم السلام مع الاحترام

حافظ نور حکیم جیلانی سیف
متعلم جامعہ اسلامیہ نظیریہ
G-7/4 اسلام آباد
منو طن رشید گڑھی نزدیکہ توت پشاور۔

قطعہ

تاریخ طباعت انوار علی

کیا دیکھئے شان ہے انوار علی کی بڑھتی ہے بہ لحظہ شان انوار علی کی
ہاتف نے کہا مجھے غیب سے مظہر مظہر انوار ہو ہے شان انوار علی کی

۱۴۱۴ھ نتیجہ فکر

سلام بحضور نواسہ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم
حضرت امام عالی مقام امام حسین علیہ السلام

حضرت اقبال مسعود احمد بیدل فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

باغ محمدی کا گل تر حسین ہے
ساری فضا ہے جس سے معطر حسین ہے

چشم و چراغ زہرا و حیدر حسین ہے
عالم تمام جس سے منور حسین ہے

ہر اسوہ رسول کا مظہر حسین ہے
مجموعہ صفات پیمبر حسین ہے

رویا ہے جس پہ گنبد بے در حسین ہے
ماتم ہے جس کا آج بھی گھر گھر حسین ہے

سر دے کے سر بلند کیا حق کو دہر میں
باطل سے جس کا جھک نہ سکا سر حسین ہے

سینچا لہو سے گلشن دین محمدی
وجہ بقائے دین پیمبر حسین ہے

اسلام کی بقا کے لیئے گھر لٹا دیا
قرباں کیئے ہیں جس نے بہتر حسین ہے

ہم چومتے ہیں کیوں تجھے اے خاک کربلا
صرف اس لیئے کہ تیرا مقدر حسین ہے

کیا فائدہ جو نقش قدم پر نہ ہم چلے
کہنے کو لاکھ ہم کہیں رہبر حسین ہے

بیدل غلام آل نبی ہوں مرے لیئے
آقا، امام، سید و سرور حسین ہے

گذشتہ سے پیوستہ

انوارِ علی کرم اللہ وجہہ

مدیر اعلیٰ

حدیث ۳۳۲ اَنبأنا محمّد المثنی قال حدّثنا ابو معٰویہ قال حدّثنا الاعمش عن عمرو بن مرۃ عن ابی البختری عن علیٍّ قالَ بَعَثَنِی رَسُولُ اللّٰہِ صلّی اللّٰہُ علیہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اِلَی اَھْلِ الْیَمَنِ لِاَقْضِیَ بَیْنَھُمْ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لَا عِلْمَ لِی بِالْقَضَاءِ فَضَرَبَ بِیَدِہٖ عَلٰی صَدْرِی قَالَ اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَلْبَہٗ وَسَدِّدْ لِسَانَہٗ فَمَا شَکَکْتُ فِی قَضَاءٍ بَیْنَ اثْنَیْنِ حَتّٰی جَلَسْتُ مَجْلِسِی۔

ترجمہ جناب علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے مجھے اہل یمن کی طرف حاکم بنا کر بھیجا تاکہ میں ان کے درمیان فیصلے کروں۔ تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں قضاء کا علم نہیں رکھتا۔ پس حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک میرے سینہ پر مارا اور دعا فرمائی کہ "اے میرے اللہ! اس کے دل کو ہدایت سے منوّر فرما اور اس کی زبان کو صحیح و درست کلام سے بہرہ ور فرما۔" (جناب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا) جب بھی دو آدمیوں کے فیصلہ میں میں بیٹھا تو فیصلہ کرنے میں میں کبھی بھی شک میں نہیں پڑا۔

حلِ لغت سَدِّدْ: صحیح۔ درست اور مضبوط کلام دے۔ تَحَایَیْتُ: میں تھکا۔ میں عاجز ہوا۔ میں نے راہ نہ پایا۔ اس کا مصدر عَیٌّ ہے۔ جس کا معنی تھک جانا۔ راہ نہ پانا۔ رک جانا۔ عاجز ہونا کے ہیں۔

تشریح ارشاد ہے کہ "میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں قضا کا علم نہیں رکھتا۔" یعنی میں نے کبھی فیصلہ نہیں کیا مجھے عدالت کرنے کا طور طریقہ اچھے طور پر نہیں آتا کیونکہ میری عمر اتنی نہیں نو عمر ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے قاضی بنا کر بھیج رہے ہیں۔ یہ بہت ہی اہم اور ذمہ داری کا کام ہے اگر آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر رحمت اور توجہ کاملہ میرے شامل نہ ہو تو یہ کام میرے بس کا نہیں۔ ارشاد ہے:

"پس حضور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک میرے سینے پہ مارا اور دعا فرمائی اے میرے اللہ! اس کے دِل کو ہدایت سے منوّر فرما۔ اور اس کی زبان کو صحیح و درست کلام سے بہرہ ور فرما۔" حضور سرورِ عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس توجہ کاملہ کی بدولت اور اِس دعاء مبارکہ کی قبولیت کی وجہ سے کیا نتیجہ نکلا! جناب امیر المومنین سیّدنا و مولینا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ جس وقت بھی میں نے دو فریقوں میں فیصلہ کرنے کا ارادہ کیا تو میں کبھی بھی شک میں نہیں پڑا۔" یعنی وہ فیصلہ انتہائی یقین اور اطمینان نیز حق اور انصاف کے ساتھ میں نے کیا۔ اپنی دانست میں کسی وقت بھی فیصلہ کرنے میں کسی قسم کے تردد یا شک میں نہیں پڑا۔ گویا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ دعا ہر وقت میرے شامل حال ہوتی

قال ابو الحسن وروی ھٰذا الحدیث شعبۃ عن عمرو بن مرۃ عن ابی البختری قال اخبرنی من سمع علیًّا وابو البختری لم یسمع من علیٍّ ھٰذا۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حدیث شعبہ نے عمرو بن مرہ سے روایت کی ہے۔ اس نے ابو البختری سے اس نے کہا خبر دی مجھ کو جس نے علی

سے سنا اور ابوالبختری نے یہ حدیث (جناب) علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے نہیں سُنی۔

(اسماء الرجال)

۱/۳۴ :- محمد بن المثنیٰ :- ملاحظہ کیجئے اسماء الرجال حدیث ۱-۱

۲/۳۴ :- ابومعٰویۃ :- اس کا نام محمد بن خازم التمیمی اسعدی الکوفی ہے۔

روی عن العاصم وابی مالک الاشجعی وسعد ویحییٰ بن سعید الانصاری والاعمش .... وھشام بن حسان وخلق کثیر وعنہ ابراھیم وابن جریج ویحییٰ القطان .... وابوموسیٰ محمد بن المثنیٰ .... واحمد بن عبدالجبار العطاروی وآخرون۔ ثقہ ہے اور طبقہ التاسعہ کے کبار سے ہے اور رمی بالارجاد ہے۔ سنہ ۱۹۴ھ / سنہ ۱۹۵ھ میں وفات پائی۔ (تقریب ج ۹ ص ۲۹۵، تہذیب ج ۹ ص ۱۳۷)

۳/۳۴ :- عمرو بن مرۃ :- ملاحظہ کیجئے اسماء الرجال حدیث ۲-۲

۴/۳۴ :- الاعمش : ملاحظہ کیجئے اسماء الرجال حدیث ۳۲-۴

۵/۳۴ :- ابی البختری ملاحظہ کیجئے اسماء الرجال حدیث ۳۲-۶

۶/۳۴ : علی المرتضیٰ ملاحظہ کیجئے اسماء الرجال حدیث ۱-۶

سیر السلوک الیٰ ملک الملوک

مدیر اعلیٰ

اور اگر چہ سالک کے نفس پر یہ مجاہدہ گراں گزرتا ہے کیونکہ اس مقام پر اس کا نفس آزادی کی میلان رکھتا ہے۔ جبکہ مجاہدے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اسے پابند کر دیا جائے۔ یہاں تک کہ اسے اطمینان حصل ہو جائے اور یہ اطمینان چوتھے مقام پر پہنچ کر حاصل ہوتا ہے اور اس چوتھے مقام پر نفس کو نفس مطمئنہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور یہ دونوں جہانوں کی بھلائی ہے۔ سالک جب چوتھے مقام میں قدم رکھتا ہے۔ تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی امداد سے نفس کی تمام آفات (مشکلات و مصائب) اور بشریت کے جملہ شہوانی تقاضوں سے خلاصی حاصل کر لیتا ہے۔

پس ان تمام اشیاء (امور) پر ملاومت اختیار کریں۔ یہاں تک کہ یہ آپ کو اس تیسرے مقام کے مرتبہ انکشاف تک پہنچا دیں (یعنی پوشیدہ رازوں سے پردے ہٹنے لگیں اور حقیقت آپ پر آشکارا ہونے لگے) تو آپ خطرات سے نجات پالیں گے۔ اور آپ کے کشف میں اضافہ ہو گا۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ حسب سابق اس مقام پر مجاہدہ مذکورہ پر عمل پیرا رہیں۔ نیز مرشد کامل کا دامن مضبوطی سے تھامے رہیں۔ ہم عنقریب اس کتاب کے آخر میں پیر کامل کی صفات بیان کریں گے۔ چنانچہ مرشد ارشد کے دامن سے اپنے آپ کو وابستہ رکھنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اپنے دل میں پیدا ہونے والے اچھے یا برے خطرات (وسوسے) مرشد طریقت کی خدمت میں عرض کر دیا کریں اور مرشد کامل کی ذات اقدس پر یقین کامل پیدا کریں۔ آپ کے اس اعتقاد میں جس قدر اضافہ ہو گا اسی قدر عالم قدس کی طرف آپ کی رغبت قوی ہو گی اور ذوق و شوق ترقی کرتا چلا جائے گا۔ اور اس حقیقت کو قطعی طور پر مان لیں کہ آپ کی نجات پیر کامل کے دست اقدس میں ہے۔ اس کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کریں۔ اور اس کے سامنے مردے کی مانند ہو جائیں جس طرح کہ مردہ غسل دینے والے کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔ (یعنی مردے کو غسل دینے والا اسے پاک و صاف کرنے کے لئے جس طرف چاہے حرکت دیتا

رہتا ہے لیکن مردے کی طرف سے کسی بھی قسم کی حرکت نہیں ہوتی۔ اسی طرح سالک کو چاہئے کہ وہ بھی اپنے مرشد کامل کے حضور میں اپنے آپ کو مردہ تصور کرے تاکہ اس کے تزکیہ نفس و تصفیہ قلب کے لئے پیر کامل جس طرح چاہے تصرف فرمائے اور اسے آلائشوں سے پاک وصاف فرمادے)۔

نیز مرشد کامل کے حالات میں سے کسی بھی حال کو ناپسند کرنے سے اپنے آپ کو بچائیں، جب کبھی مرشد کے کسی بھی فعل پر انکار (مخالفت) کی گنجائش پیدا ہو تو اس (ناپاک خیال) سے فوراً رجوع کر کے توبہ کریں۔ اگرچہ کبھی کبھار مرشد ارشد کی طرف سے آپ کو ایسے حالات پیش آئیں گے۔ جو انکار (مخالفت) کا باعث بنیں گے جیسے کسی ادنی چیز کے گم یا ضائع کر دینے پر مرشد کی طرف سے اپنے خادم کو ڈانٹنا، پیٹنا اور تکلیف دینا۔ تو آپ اس انکار (مخالفت) کو فوراً دور کریں۔ اور اسے ہرگز اپنے دل میں جگہ نہ دیں۔ اس لئے کہ کاملین کے احوال کو دوسرے لوگوں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا اور ان کی حقیقت اللہ تعالی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (اس کی وضاحت کے لئے درج ذیل شعر پر غور و فکر کریں)

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

یعنی اولیاء اللہ کے افعال کو اپنے افعال پر قیاس نہ کریں انہیں اپنی طرح مت سمجھیں اگرچہ وہ ظاہر میں تمہارے افعال ہی جیسے کیوں نہ ہوں لیکن تم ان کی حقیقت کو جاننے سے قاصر ہو جیسے کہ لکھنے میں تو شیر اور شیر ایک جیسے نظر آتے ہیں لیکن دونوں کی حقیقت میں بڑا فرق ہے۔ شیر جنگلی درندہ ہے۔ جو انسان کو چیر پھاڑ دیتا ہے۔ جبکہ شیر دودھ کو کہتے ہیں جو انسان کی غذائی ضروریات پوری کرتا ہے۔ لہذا ظاہری یکسانیت پر نظر رکھنے کی بجائے حقیقت کو مد نظر رکھنے سے ہی انسان غلطی کے ارتکاب سے بچتا ہے بصورت دیگر گمراہی و بربادی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

رشوت کے معاشرتی اثرات

محمود الحسن خان

متعلم جامعہ رضویہ انوار العلوم

24/H لالہ رخ واہ کینٹ

اسلام ایک ایسے صحت مند معاشرے کو پروان چڑھاتا ہے جس میں امیر و غریب حاکم و محکوم اور کمزور و طاقتور کو مکمل سکونِ قلبی معاشی استحصال سے نجات اور دیگر دنیاوی مصائب سے مکمل طور پر حفاظت فراہم کرنے کی ضمانت دیتا ہے۔ گویا اسلام زندگی کے مختلف شعبوں میں ایک نہایت توانا معاشرے کو معرض وجود میں لاتا ہے۔ اسی لئے اسلام نے رشوت اور اس جیسی تمام دوسری اخلاقی برائیوں کی سخت مذمت اور وعید سنائی ہے۔

رشوت ایک ایسی اخلاقی برائی ہے جس سے معاشرے میں عدم توازن اور بد عملی پیدا ہوتی ہے۔ جس معاشرے میں رشوت عام ہو وہاں ....

۱۔ ذاتی اغراض و مقاصد اور ناجائز مطالبہ کے لئے بااختیار اشخاص یا اہل کاروں کو رقم یا مال کی صورت میں فائدہ پہنچا کر ان سے غلط کام اور غلط فیصلے کرائے جاتے ہیں، جس سے غربا اور مستحقین کے ساتھ ناانصافی، حق تلفی اور زیادتی ہوتی ہے۔

۲۔ رشوت کی وجہ سے دفتروں میں تاخیر اور عدم تعاون کے رجحان کو تقویت ملتی ہے۔

۳۔ وہاں سرکاری اور نیم سرکاری محکموں کے طریقہ کار کو دقیق بنا دیا جاتا ہے تاکہ شہریوں کو ان سے متعلقہ کاموں میں دشواری پیش آئے۔

۴۔ رشوت کی وجہ سے لوگوں میں قومی تعمیر، حب الوطنی، دیانتداری، قناعت پسندی، باہمی ہمدردی، اخوت و محبت، یگانگت اور یکجہتی اور ایک دوسرے کے حقوق کی پاسداری کا جذبہ مفقود ہو جاتا ہے۔ اسکے برعکس خود غرضی، مطلب پرستی، فضول خرچی، فیشن پرستی نام و نمود کے رجحان، منافرت اور جھوٹے وقار جیسی معاشرتی قبیح عادات جنم لیتی ہیں۔

۵۔ وہاں انتظامی ادارے اور عدالتیں بے اثر ہو کر رہ جاتی ہیں۔ جس سے ظلم، جبر، قتل، چوری، ڈاکہ زنی، ناانصافی، ملاوٹ، گراں فروشی، ذخیرہ اندوزی، شراب نوشی، منشیات اور اغوا۔ برائے تاوان وغیرہ جیسے جرائم روز بروز بڑھنا شروع ہو جاتے ہیں۔

۶۔ کچہریوں اور دوسرے محکموں کے ادنیٰ ملازمین بخشش کے نام سے سائلوں سے رقم وصول کرتے ہیں۔

۷۔ وہ معاشرہ طوائفوں کا مرکز بن جاتا ہے کیونکہ رشوت انسان کی عزت نفس کی قیمت ہوتی ہے۔ مرد کی عزت نفس، عورت کی عصمت اور عفت ایسی ہوتی ہے۔ بک جائے تو دونوں طوائف بن جاتے ہیں۔

۸۔ اس معاشرے میں فساد برپا ہوتا ہے جس سے اس کے امن و سلامتی، خوشحالی اور ترقی کو ناقابل تلافی نقصان پہنچتا ہے۔

۹۔ رشوت کے عام ہونے کی وجہ سے لوگ اپنے آپ کے، اہل و عیال اور قوم و ملک بلکہ نوع انسانی کے دشمن راہزن اور مفسد بن جاتے ہیں۔

۱۰۔ اس مرض میں مبتلا لوگوں کی زندگیاں ناپاک اور پلید ہو جاتی ہیں اور پورا معاشرہ اجتماعی طور پر لذت حیات طیبہ سے محروم ہو جاتا ہے۔ جبکہ زندگی حقیقت میں ہوتی ہی حیات طیبہ ہے جو رب کریم کی نعمت عظمیٰ ہے۔

۱۱۔ تعلیمی اداروں میں اہل اور قابل طلباء کا استحقاق مجروح ہوتا ہے۔ ملازمتوں میں غریب مستحقین کی حق تلفی ہوتی ہے۔ ناجائز ذرائع سے ڈگریاں اور نوکریاں حاصل کی جاتی ہیں۔ بھلا ایسے لوگوں سے جنکی ابتداء ہی ناجائز ذرائع اور حق تلفی کی بنیاد پر ہو ان کے کاموں میں کیونکر برکت ہو سکتی ہے؟ ان سے نیکی اور بھلائی، قومی و ملکی مفادات والے کاموں کی کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ ایسے ہی معاشرے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس قوم میں رشوت عام ہو جائے وہ دشمنوں سے مرعوبیت کی مرض میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی معاشرے کی کشتی تباہی کے گرداب میں پھنس کر رہ جاتی ہے۔ اور بربادی اس معاشرہ کا مقدر بن جاتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب